میر عثمان علی خاں کا عہد: اسلامی علوم کی ترویج واشاعت

شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی*

دکن میں مسلم سلطنتوں کی تاریخ: بیک نظر

پندرہویں صدی کے اوائل یعنی سلطان علاءالدین خلجی (۶۹۵۔۷۱۶/۱۲۹۶۔۱۳۱۶) کے زمانے سے ہی دکن کا علاقہ دہلی سے آزاد رہا سوائے اس مختصر مدت کے جب اورنگ زیب (۱۰۲۷۔۱۱۱۹/۱۶۱۸۔۱۷۰۷) نے اس علاقے کو ۱۰۹۸/۱۶۸۷ میں فتح کیا تھا۔[1] صوبہ دکن میں مسلمانوں کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب سلطان غیاث الدین تغلق کے بیٹے محمد بن تغلق (جس کا اصل نام الغ خان ہے)[2] کے دور حکومت میں دہلی سلطنت کا دارالحکومت دہلی سے (۷۲۷/۱۳۲۷) دولت آباد (اس کا قدیم نام دیوگری تھا) منتقل ہوا۔ سلطان کے اس فیصلے کا منفی اثر یہ ہوا کہ دہلی ویران ہوگئی لیکن اسی فیصلے کا مثبت اثر یہ بھی ہوا کہ اسی فیصلے کے باعث جنوبی ہند میں مسلم تہذیب وتمدن، زبان وثقافت کے اثرات پہنچے۔ شاید اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے تاریخ دانوں نے محمد بن تغلق کو عجیب المخلوقات کا لقب دیا ہے۔[3] دکن کی طرف اُردو بولنے والوں کی اسی ہجرت کا نتیجہ تھا کہ جنوبی ہند میں بہمنی سلطنت (۷۴۷۔۹۴۵/۱۳۴۷۔۱۵۳۸) کا قیام عمل میں آیا جب علاءالدین حسن گنگو بہمنی (جس کا اصلی نام ظفر خان ہے) (المتوفی ۷۵۹/۱۳۵۸) نے ۷۴۸/۱۳۴۷ میں مرکز یعنی دہلی سلطنت کے سلطان محمد بن تغلق (۶۸۹۔۷۵۲/۱۲۹۰۔۱۳۵۱) سے علاحدگی اختیار کرتے ہوئے خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھی اور پہلے گلبرگہ کو اپنا دارالحکومت پھر بیدر کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ مغربی وجنوبی ہندوستان کے بڑے سطح مرتفع پر واقع دکن کی یہ پہلی آزاد مسلم سلطنت تھی جس کا جغرافیائی رقبہ مشرق میں خلیج بنگال اور مغرب میں بحیرہ عرب تک وسیع تھا۔ دکن میں مسلم حکومت کی داغ بیل کے ساتھ ہی مسلم حکمرانوں نے محققین، صوفیاء علماء اور دوسرے ثقافتی میدانوں میں کام کرنے والوں کی ہر طرح سے سرپرستی اور عزت افزائی کی۔ بہمنی سلاطین نے دکن میں زراعت، تعلیم اور عمارات پر خاص توجہ دی۔

اسلامی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے بہمنی سلطنت کے وزیر اعظم خواجہ عماد الدین محمود گاواں المعروف

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد دکن، بھارت

محمود گاواں (۸۸۶۔۸۱۴/۱۴۱۱۔۱۴۸۱) نے دینی علوم کی پہلی تین منزلہ درس گاہ شہر بیدر ۸۷۷/۱۴۷۲ میں قائم کی جس کا نام مدرسہ محمود گاواں ہے۔ ایک سازش کے تحت محمود گاواں کو ۱۴/اپریل ۱۴۸۱ء تختہ دار پر چڑھادیا گیا جس کے ساتھ ہی بہمنی سلطنت کے زوال کے اثرات نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے چوں کہ بہمنی سلطنت کی قوت وطاقت میں ضعف اور نظم وضبط میں بے ربطگی پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی اور ۸۹۵/۱۴۹۰ کے قریب بہمنی سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔ ۹۴۵/۱۵۳۸ تک اس کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح یہ عظیم سلطنت پانچ چھوٹی سلطنتوں (یعنی احمد نگر کی نظام شاہی (۸۱۴۔۸۸۶/۱۴۹۶۔۱۶۰۰)، بیجاپور کی عادل شاہی (۸۹۵۔۱۰۹۷/۱۴۹۰۔۱۶۸۶)، گولکنڈہ کی قطب شاہی (۹۱۸۔۱۰۹۸/۱۵۱۲۔۱۶۸۷)، برار کی عماد شاہی، (۹۱۶۔۹۸۲/ ۱۵۱۰۔۱۵۷۴) اور بیدر کی برید شاہی (۹۱۰۔۱۰۲۸/۱۵۰۴۔۱۶۱۹) میں بٹ گئی جسے مجموعی طور پر دکنی سلطنت کا نام دیا جاتا ہے۔ عماد شاہی اور برید شاہی سلطنتوں کا انضمام بالترتیب نظام شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں میں ہو گیا۔ مغلیہ سلطنت کے چھٹے اور آخری شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے نظام شاہی، عادل شاہی اور قطب شاہی ریاستوں کو مغلیہ سلطنت میں ضم کر لیا۔ دکن سے واپس ہوتے وقت اورنگ زیب نے نظام الملک آصف جاہ اول (جن کا اصلی نام میر قمر الدین علی خان ہے) (۱۰۸۲۔۱۱۶۱/۱۶۷۱۔۱۷۴۸) کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا جن کا خاندانی نسب خلیفہ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ (۵۷۳۔۶۳۴ء) سے جاملتا ہے۔[۴] اورنگ زیب کی وفات کے بعد دہلی کی سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا، ہندوستان میں طوائف الملکی اور سفید فام اقوام کا غلبہ تیزی سے بڑھنے لگا ایسے ماحول میں مغل سلطنت کے مشہور فوجی جرنیل اور دکن کے صوبیدار نظام الملک آصف جاہ اول نے اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے ۱۱۳۶/۱۷۲۴ میں مملکت آصفیہ کی بنیاد رکھی جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی اور طاقت ور خود مختار ریاست تھی اور اس کا دبدبہ تقریباً ۲۲۵ سال تک رہا اور ۱۳۶۷/۱۹۴۸ میں سقوط حیدرآباد کے بعد یہ سلطنت زوال پذیر ہو گئی۔[۵]

اسلامی علوم: ایک علمی جائزہ

جب بھی ہم اسلامی علوم کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو پہلی بات جو ہمارے ذہن میں ابھر کر آتی ہے وہ یہ کہ اس سے مراد وہ علوم ہیں جو دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں یا ان کے نصاب میں داخل ہیں یہی وجہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری کے اختتام تک حسب ذیل علوم کو معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا۔ علم قرآن، علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم جرح والتعدیل، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم قرأت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم لغت، علم طبعیات والٰہیات، علم تصوف، علم اصول تصوف، علم

سیرت، علم سیر، علم اصول سیر، علم تاریخ، علم اصول تاریخ، علم کلام، علم ادب، علم انشا، علم شعر، فن بلاغت، فن طب، فن اخلاق۔ یہ خیال غلط ہے چوں کہ دینی مدارس کے نصاب میں علم منطق بھی شامل ہے جس کا اصل موجد و مدون یونانی فلسفی ''ارسطو'' (۳۸۴۔۳۲۲ق م) ہے۔اس علم کو مسلمانوں اور اسلامی دنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دینی علوم کے مقدمہ کے طور پر اسے دینی علوم کا جزمان لیا گیا۔[۶] ایک وقت ایسا بھی آیا کہ منطق سے مسلمانوں کا شغف و انہماک بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے دینی مدارس میں دینی کتب سے زیادہ منطق پڑھائی جانے لگی تھی۔ چناں چہ مولانا سید عبدالحئی ندویؒ(المتوفی ۱۳۴۱/۱۸۲۵) اپنی مایہ ناز عربی تصنیف ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند'' میں عربی مدارس کے نصاب کے نقائص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ منطق کی پندرہ کتابیں نصاب میں ہیں اور تفسیر کی صرف دو کتابیں بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں۔ جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کے اختصار کا حال یہ ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر ہیں۔[۷]

بعض لوگوں یہ سمجھتے ہیں جن علوم کی تحصیل میں تقوی و طہارت کی ضرورت پڑتی ہے وہ اسلامی علوم ہیں اور جن علوم کی تحصیل میں یہ شرط پائی نہیں جاتی وہ دنیوی علوم ہیں یہ سوچ اس لیے مناسب نہیں چوں کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ ایمان کو زندگی کے تمام مراحل (چاہے دینی افعال و اعمال ہوں یا دنیوی معاملات) میں تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم فرماتاہے چونکہ تقوی نورالٰہی ہے جہاں وہ راسخ ہو جاتاہے علم ودانش کی تخلیق کرتاہے۔ تقویٰ انسان کے افکار وخیالات اور میلانات واحساسات کو آلودگیوں سے پاک اور اعمال کو خالص بناتاہے۔ یہ وہ قابل اطمینان پناہ گاہ ہے جس کی ضرورت انسان کو زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات میں پڑتی ہے۔[۸]

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ علوم پانچ ہیں، دین کے لیے علم فقہ، جسم کے لیے علم طب (میڈیکل سائنس)، تعمیر کے لیے علم ہندسہ (انجینئرنگ)، زباں دانی کے لیے علم نحو، اور وقت جاننے کے لیے علم نجوم۔[۹] اس قول سے ظاہر ہوتاہے کہ جو علوم دین کے مبادیات کی افہام و تفہیم کے لیے ضروری ہوتے ہیں وہ بلاشبہ اسلامی علوم کہلاتے ہیں لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے دیگر علوم کو فروغ دیا جائے تو وہ بھی اسلامی علوم کے وسیع دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ علم جو قرآنی اصطلاحات سے مربوط و متعلق ہو وہ بھی اسلامی علوم میں شامل ہیں جیسے فلسفہ جب مسلمانوں نے فلسفہ کی اصطلاح ''مابعد الطبیعات'' کو قرآنی تصور عالم غیب سے جوڑا تو یہ اسلامی فلسفہ بن گیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو علوم اسلامیہ کا دائرہ بہت وسیع نظر آتاہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے نہ صرف تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف کو اپنی تالیفات و تصنیفات کا موضوع بنایا بلکہ معاشی و سماجی

ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے علم کیمیا، طب، جراحی، ہندسہ، ریاضیات، فلکیات، حیوانیات، ارضیات، حیاتیات، معاشیات، اقتصادیات، جغرافیہ وغیرہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے انکشافات و تحقیقات اور اختراعات و ایجادات اور تعلیقات و تشریحات کا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے پوری دنیا روشن و منور ہے۔ علامہ اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ دنیا اپنے تمام علوم و تہذیب اور صنائع و بدائع سمیت مسلمانوں کی مخلوق ہے۔"[۱] وہ علوم جس میں کفریہ باتیں یا ایسے نظریات شامل ہوں جو اسلامی تعلیمات سے ٹکراتے ہوں جیسے دنیا کا خود بخود وجود میں آنا، انسان کی اصل بندر کا ہونا وغیرہ ایسے علوم کو مناسب یہ ہے کہ غیر اسلامی علوم کہا جائے نہ کہ دنیوی علوم۔

آصف سادس اور آصف سابع کی علم پروری

اگرچہ ریاست حیدرآباد نے مملکت آصفیہ کے نو سلاطین کو سریر آرائے تخت ہوتے ہوئے دیکھا ہے" لیکن ان میں سے صرف سات فرماں رواؤں کو مغل بادشاہوں نے آصف جاہ کا خطاب دیا۔ سلطنت آصفیہ دکن میں مغلیہ سلطنت کی نمائندہ تھی اور جانشین بھی۔"[۲] ان سات حکمرانوں میں بھی آصف جاہ سادس میر محبوب علی خاں اور آصف جاہ سابع میر عثمان علی خان کا دور ہمہ جہت ترقی کے اعتبار سے نہ صرف مملکت آصفیہ بلکہ حیدرآباد کی تاریخ کا عہد زریں کہلاتا ہے چوں کہ یہی وہ دور تھا جب مملکت آصفیہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے مد مقابل کھڑی ہوگئی تھی اسی باعث ہر فرد بشر ان دو ناموں سے اچھی طرح واقف وآشنا ہے۔ مملکت آصفیہ کی ہمہ جہت ترقی میں بانی جامعہ نظامیہ شیخ الاسلام حضرت حافظ مولانا انوار اللہ خان فاروقی فضیلت جنگؒ (۱۲۶۳۔۱۳۳۴/۱۸۴۷۔۱۹۱۶) کی تعلیم و تربیت کا بہت اہم کردار رہا ہے چوں کہ آپ ان دونوں فرماں رواؤں کے استاد محترم تھے۔ دیگر وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قیام مملکت آصفیہ سے آصف خامس کے عہد تک ریاست حیدرآباد کو مرہٹوں کے حملوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں کی دخل اندازیوں، بے وفا وزرا کی سازشوں و ریشہ دوانیوں اور ۱۲۷۴/۱۸۵۷ میں ہونے والی پہلی جنگ آزادی کی وجہ سے برپا ہونے والے شورشی حالات و غیر یقینی کیفیات کے باعث ترقیات کا دائرہ بہت محدود تھا۔"[۳] لیکن آصف سادس اور آصف سابع کے عہد میں مملکت آصفیہ کو رفاہی، تعلیمی، سماجی میدانوں میں اس قدر غیر معمولی ترقیاں حاصل ہوئیں کہ ان کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں ہے۔ اسی سبب دنیا کے شش جہات میں سرزمین دکن کو عروج نصیب ہوا۔ آصف سابع کے دور میں جس طرح غیر مسلم علمی و ادبی شخصیات کی مالی اعانت، مذہبی کتب کی اشاعت، تعلیمی اداروں، عبادت خانوں اور غاروں کی مرمت و حفاظت، مذہبی رسوم کے فرائض کی ادائیگی کے لیے درکار اخراجات و سہولیات کی بذریعہ فرامین رقمی منظوریاں دیں۔"[۴]

اسی طرح آصف سابع نے اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگی وقف کر دینے والوں کی ہمیشہ فیاضی و فراخ دلی کے ساتھ سرپرستی فرمائی اور مدارس کے قیام وانصرام میں بھی کافی دل چسپی لی۔ڈاکٹر سید داؤد اشرف علم و ہنر کے مربی آصف سابع کی علم دوستی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''نواب میر عثمان علی خان نے مولانا سید سلیمان ندویؒ (۱۳۰۱۔۱۳۷۳/۱۸۸۴۔۱۹۵۳) کی درخواست پر سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے فرمان مورخہ ۹/فروری ۱۹۱۹ء کے ذریعہ پہلی بار دو سو روپے کلدار ماہ وار امداد منظور کی تھی جو بیس سال کے دوران میں چند درمیانی وقفوں کے ساتھ چودہ سال تک دی گئی۔علاوہ ازیں آصف سابع نے مولانا سید سلیمان ندویؒ کو معاشی آسودگی فراہم کرنے کی غرض سے ۵/ جولائی ۱۹۳۸ء کے فرمان کے ذریعہ ان کی ذات کے لیے ایک سو روپے ماہ وار جاری کرنے کے احکام صادر کیے''۔[۱۵] یہی وجہ ہے کہ دکن میں علوم وفنون بالخصوص اسلامی علوم میں ایسے ایسے جید و مستند علماء پیدا ہوئے جن کی علمی عظمت آج بھی اندرون وبیرون ملک مسلم ہے۔آصف سادس اور آصف سابع کی علمی قدردانی اور حوصلہ افزارویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بین الاقوامی شہرت یافتہ مقامی اور بیرونی علماء نے اسلامی علوم کو تصنیف وتالیف، تحقیق و تدقیق اور تصحیح وتعلیق کا موضوع بنایا۔اسلامی علوم پر عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں بلند پایہ کتابوں کی شکل میں یادگار علمی ذخیرہ چھوڑا جو تمام لوگوں کے لیے باعث افادہ بنا۔اس طرح دکن میں اسلامی تہذیب وثقافت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔اسی باعث مملکت آصفیہ بلالحاظ مذہب وملت اہل علم ودانش کی قدردانی کا مرکز اور ان کی پناہ گاہ بن گئی تھی۔اس عہد میں اسلامی علوم کو کافی فروغ ملا اور حیدرآباد کو ایسے وقت تعلیم بالخصوص اسلامی علوم کے مرکز کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی جب مسلمانوں کی شعوری کیفیت تنزل اور علمی حیثیت زبوں حالی کا شکار تھی۔یہی وجہ ہے کہ سرزمین ہند میں دکن دورِ اسلامی کی ایک سلف السنہ نامور یادگار ہے جس کے مستقل دیرپا اثرات وروایات آج بھی دکن میں پائے جاتے ہیں۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جہاں ۱۱,۲۵۶ غیر مسلم ادارات مذہبی کو سرکاری امداد ملتی تھی وہیں صرف ۴,۸۹۸ مسلم ادارات مذہبی کو مملکت آصفیہ کی جانب سے سرکاری امداد دی جاتی تھی۔یہ اس دور کی مذہبی رواداری کی بہترین مثال ہے۔جہاں تمام مذاہب کے لوگ مابین اتحاد ومحبت نہایت امن وسکون، خوش حالی و فارغ البالی کے ساتھ شاداں و فرحاں اپنی زندگی بسر کرتے تھے، جس کے ناقابل فراموش نقوش ہر سلیم الفطرت کے دل کی لوح پر اعترافِ جمیل کے ساتھ آج بھی قائم ہیں۔[۱۶]

راعی ورعایائے دکن کے باہمی خوش گوار تعلقات کے اثرات کا اظہار عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا کے درمیان پائے جانے والی مذہبی رواداری سے بھی ہوتا ہے۔سال ۱۳۶۴/ ۱۹۴۵ میں عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالاقامہ میں مقیم طلبا نے سیرت طیبہ کے مختلف موضوعات پر تحریری مقابلہ کا انعقاد کیا۔دو انعامات (یعنی مہاراجہ یمین السلطنت انعام

اور محترمہ سروجنی نائڈو انعام) یونیورسٹی کے دو غیر مسلم طلباو طالبات کے لیے مختص رکھے گئے۔اس تحریری مقابلہ میں طلبا بالخصوص طالبات نے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا۔[۱۷]

شاید حیدر آباد دکن ہندوستان کا وہ واحد حصہ تھا جہاں قرآنی علوم کی تعلیم کا نظم نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کیا جاتا تھا۔جامعہ قرآنیہ[۱۸] کے علاوہ مختلف محلہ جات کی مساجد میں مدارس کام کر رہے تھے جہاں بچوں کو قرآنی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔درس قرآن کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری ہوتا تھا جس میں اس وقت کے مستند و معتبر علماء جیسے علامہ عبدالقدیر صدیقیؒ (۱۲۸۷۔۱۳۸۲/۱۸۷۰۔۱۹۶۲)، مولانا سید بادشاہ حسینیؒ (سابق سکریٹری مجلس علمائے دکن) (۱۳۱۷۔۱۳۸۴/۱۸۹۹۔۱۹۶۴) اور دیگر جید علماء کے مضامین شائع ہوتے تھے۔[۱۹] قرآنی علوم کی ترویج واشاعت میں حیدر آباد کی خواتین نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔حیدر آباد کے عوام میں عربی ذوق و شوق بڑھانے کی غرض سے ایک سوسائٹی بنام ''اشاعت عربی''معرض وجود میں آئی۔اس سوسائٹی کے تحت ہفتہ واری محافل کا اہتمام کیا جاتا تھا جس میں صرف عربی زبان میں ہی بات چیت کی جاتی تھی۔بڑی تعداد میں لوگ بالخصوص خواتین ان محافل میں شرکت کرتی تھیں۔اسی سوسائٹی سے حوصلہ پاکر ایک لڑکی نے مرکز دین و دانش جامعہ نظامیہ سے کامل التفسیر کے سال اول کا امتحان کامیاب کیا۔[۲۰]

آصف سادس اور آصف سابع کے دور حکومت میں جہاں ایک طرف عالمی شہرت کا حامل مکتب آصفیہ یعنی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد (سن قیام ۱۳۰۸/۱۸۹۱)، دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ (سن قیام ۱۳۳۵/۱۹۱۷)،[۲۱] اور عثمانیہ یونیورسٹی (۱۳۳۶/۱۹۱۸)، کا قیام عمل میں لایا جارہا تھا تو دوسری جانب اسلامی دنیا کی سب سے معروف و مقبول جامعہ ''جامعہ نظامیہ''(سن قیام ۱۲۹۲/۱۸۷۵) اور تحقیقی ادارہ ''دائرۃ المعارف العثمانیہ''(سن قیام ۱۳۰۵/۱۸۸۸) جیسے علمی مراکز کو ان دو بیدار مغز فرماں رواؤں کی سرپرستی حاصل تھی جو اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں اہم سنگ میل ثابت ہوا۔اس شاہی سرپرستی کے باعث اس دور میں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے میدان میں ایسے نابغہ روزگار اور باکمال افراد ابھرے جن کے علم و تقویٰ، عمل و کردار نے دنیا کو غرق حیرت کر دیا۔ان علمی و ادبی شخصیات نے خداداد صلاحیتوں سے وہ شاہ کار تصانیف بطور علمی و تحقیقی ذخیرہ چھوڑیں جن کی عظمتوں کے نقوش ہمیشہ روشن رہیں گے۔اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں ایسی خدمات انجام دیں جس سے عالم اسلام بالخصوص عرب کے علماء و فضلاء ان کی خوشہ چینی پر مجبور ہوئے۔[۲۲] آصف جاہ سابع کے عہد میمنت میں جو دو بڑے تعلیمی و تحقیقی ادارے اسلامی علوم کی ترویج کے لیے کام کر رہے تھے وہ جامعہ نظامیہ اور دائرۃ المعارف العثمانیہ تھے۔جن کا اجمالی ذکر درج ذیل سطور میں کیا جارہا ہے۔

اسلامیت کا مرکز: جامعہ نظامیہ کی دینی و علمی فیض رسانی

بعض ہستیاں اس قدر جلیل القدر اور مہتم بالشان ہوتی ہیں کہ امتدادِ زمانہ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا انہی شخصیات میں صاحب تقویٰ، ایمان و عرفان کے مظہر جلیل، جید و متبحر عالم دین شیخ الاسلام حضرت حافظ مولانا انوار اللہ خان فاروقی فضیلت جنگؒ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اسلامی علوم کی ترویج کے لیے شہر حیدر آباد فرخندہ بنیاد کی مشہور و معروف دینی مدرسہ ''مدرسہ نظامیہ'' کی[۲۳] سن ۱۲۹۲/۱۸۷۵ میں بنیاد رکھی جو آج ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی شکل میں اسلامی تعلیمات کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ میں اسلامیات کے مختلف موضوعات پر ایک لاکھ کتابوں کے علاوہ عربی، فارسی، اور اُردو کے ڈھائی ہزار نایاب و نادر مخطوطات بھی محفوظ و موجود ہیں۔[۲۴] یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ ''جامعہ نظامیہ'' عالم باعمل اور فاضل اجل مولانا نواب فضیلت جنگؒ بہادر کی علم دوستی اور اسلامیات پرستی کی سچی یادگار ہے جس سے نہ صرف حیدر آباد، ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک (بشمول سمرقند، بخارا، بدخشاں، افغانستان اور عالم عرب) کے تشنگان علم سیراب ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے حیدر آباد اور اضلاع کے صدر مقام میں اسلامی علوم کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔[۲۵]

شیخ الاسلام کئی گراں قدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ جامعہ نظامیہ کے علماء کی اصلاح اور اسلامی علوم کی ترویج کے لیے ان کو تصنیف و تالیف کی طرف مائل کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری ہے۔ فلسفہ، حکمت، اصول و عقائد، حدیث و تفسیر، قانون و فقہ، جیسے موضوعات پر مقاصد الاسلام (گیارہ حصے)، افادۃ الافہام (دو حصے)، حقیقۃ الفقہ (دو حصے)، کتاب العقل، انوار احمدی، انوار الحق، خدا کی قدرت، خلق افعال، مسئلہ الربوا، شمیم الانوار، الکلام المرفوع فیما یتعلق بالحدیث الموضوع، انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود، انوار التمجید فی ادلۃ التوحید تصنیف فرمائیں۔[۲۶]

جامعہ نظامیہ کی بقا اور ترقی میں آصف سابع کی شاہی سرپرستی کا بڑا دخل رہا ہے چوں کہ آصف سابع نے تخت نشینی کے اندرون ایک سال فرمان مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۳/ ۴ مئی 1912 کے ذریعے اپنے استاد محترم کے مدرسہ ''مدرسہ نظامیہ'' کے لیے دو ہزار روپے ماہانہ کی امداد منظور کی۔[۲۷] آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۹ شوال ۱۳۳۶/ ۲۸/جولائی 1918 احکام صادر کیے کہ حکومت کی جانب سے پندرہ بیس ہزار روپے کی لاگت سے مدرسہ نظامیہ کے لیے عمارت تعمیر کی جائے۔[۲۸] علاوہ ازیں آصف سابع نے اس جامعہ کے دار الاقامہ، جماعتوں،

کتب خانہ، دفتری عمارت کی تعمیر نو کے لیے ۲۲۵۰۰۰ روپیہ منظور کیے۔ اور اس جامعہ کی تنظیم نو میں خاصی اور شخصی دل چسپی لیا کرتے تھے۔[۲۹]

جامعہ نظامیہ کے سند یافتہ طلبا کو سرکاری ملازمت کا استحقاق دینے کی ایک عرضی مولانا انوار اللہ خانؒ نے پیش کی۔ اس معروضے پر ماہرین کی رائے حاصل کرنے کے بعد آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۶/۱۰ اگست ۱۹۱۸ کے ذریعہ حکم دیا کہ مدرسہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو اپنی اپنی لیاقت کی مناسبت سے سرکاری خدمات پانے کا حق حاصل رہے گا۔[۳۰] امورِ مذہبی کی تحریک پر آصف جاہ سابع نے بذریعہ ۱۹/ربیع الاول ۱۳۶۷/ ۲۱ جنوری ۱۹۴۸ جامعہ نظامیہ کے نام (۳) لاکھ سالانہ اور (۲) لاکھ امداد کی منظوری دی۔[۳۱] آصف جاہ سابع نے مختلف فرامین کے ذریعے مدرسہ نظامیہ کے طالب علموں کو تعلیمی وظیفہ جاری کیا، مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا، یہاں کے مدرسین کی بیواؤں کے لیے مالی مدد و اعانت فرمائی۔[۳۲] اسی جامعہ نظامیہ سے نابغۂ روزگار علماء، فضلاء، محققین، مصنفین فارغ ہو کر نکلے ہیں جن کی علمی عظمت عرب ممالک میں بھی مسلم ہے۔ اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں جامعہ نظامیہ کے جن مایہ ناز علماء کرام نے گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں چند حسب ذیل ہیں:

محدث دکن حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحبؒ (۱۲۹۲ـ۱۳۸۴/۱۸۷۵ـ۱۹۶۴)

قرآن مجید کی قولی توضیح و تشریح اور اسلامی قانون کا دوسرا بڑا ماخذ و منبع حدیث نبویؐ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کو تدریساً، تقریراً، یا تحریراً لوگوں تک پہنچانا کسی بھی مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔ محدثین کرام کی زندگی کا اہم مشغلہ یہی ہوتا ہے کہ وہ دن رات علوم احادیث سے لوگوں کے قلوب واذہان کو روشن و منور کرتے رہتے ہیں انہی درخشندہ ستاروں میں سے ایک زبدۃ المحدثین محدث دکن ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادریؒ ہیں۔ جو برصغیر ہند و پاک کے مایہ ناز اور ہم عصر علمائے حدیث میں اپنی علمی کمالات، دینی وجاہت، حسن صورت و سیرت اور مجاہدانہ کارناموں سے منفرد و ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ علم حدیث کے شہ سوار محدث دکن کا شمار شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقیؒ کے لائق و فائق تلامذہ اور ان غیر معمولی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے علمِ حدیث میں چار چاند لگائے ہیں۔ ایسی مبارک ہستیاں صدیوں میں کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ آپ عربی، فارسی اور اُردو میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان بالخصوص دکن میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کے حوالے سے صفِ اول کے محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ نے علم حدیث کے فروغ میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی تدریس و تعلیم و تصنیف و تالیف کے رواج کو عام کرتے ہوئے علمِ حدیث کے چراغ کو جلائے رکھا۔ آپ کی علمی شان و جلالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تذکرہ محدث دکن کے

مصنف حضرت ابو الفدا عبدالستار خان نقشبندی مجددی قادریؒ (۱۳۴۲-۱۴۳۳/۱۹۲۴-۲۰۱۲) لکھتے ہیں: عالم ربانی، فقیہ حضرت مولانا محمود شاہ قادری حنفی معروف بہ ابوالوفاءافغانیؒ (۱۳۱۰-۱۳۹۵/۱۸۹۲-۱۹۷۵) نے مجھے بتایا کہ بلاشبہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے حضرت ابوالحسنات کی صورت میں مرشد کامل میسر ہے۔ بصورت دیگر مجھے شیخ کامل کی تلاش میں سفر کرناپڑ سکتا تھا۔آپ نے بتائید غیبی پانچ جلدوں پر مشتمل "زجاجة المصابیح" تصنیف فرمائی جو حدیث شریف کی مشہور و معروف، مقبول و مستند اور معتبر و متداول کتاب ہے اور احناف کے حق میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ۶،۶۳۴/احادیث کا یہ خوب صورت مجموعہ نہ صرف علماء، دعاۃ اور طلبہ کے لیے مفید ہے بلکہ عوام بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک طویل اور تھکادینے والا کام تھا جس کی تکمیل فرما کر محدث دکنؒ نے حدیث رسول کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس شاہ کار تصنیف کو اللہ تعالیٰ نے قبولیتِ عامہ نصیب فرمائی اور علماء نے سالہاسال سے جامعہ نظامیہ میں داخل نصاب کیا ہے۔ اس کتاب کے درس کو مولانا ابوالوفاء الافغانیؒ نے جاری فرمایا۔[۳۳]

تمسک بالحدیث، عمل بالسنت، مشتغل بالحدیث اور علم حدیث میں گراں قدر خدمات انجام دینے کے باوصف علماء اور عوام الناس حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحبؒ کو محدث دکن کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ذی اکرام مولف نے مسائل کے لحاظ سے احناف کے اثبات میں احادیثِ نبوی کا یہ بہترین مجموعہ بنام "زجاجة المصابیح" اسی طرح مرتب کیا ہے جس طرح علامہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ (المتوفی ۷۴۱/۱۳۴۰) نے شوافع کے لیے ۵،۹۴۵/ احادیث پر مشتمل ایک جامع ذخیرہ بعنوان "مشکوٰة المصابیح" مرتب کیا تھا۔[۳۴] زجاجة المصابیح کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ (۸۰-۱۵۰/۶۹۹-۷۶۷) کے اقوال اور بیان کردہ فقہی مسائل حدیث شریف سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ زجاجة المصابیح کی تالیف کے دوران حضرت محدث دکنؒ نے جن امور کا التزام فرمایا وہ حسب ذیل ہیں: (i) صحیح بخاری کے طرز پر ہر بڑے عنوان کے بعد متعلقہ آیات قرآنی کا حوالہ درج کیا ہے، (ii) زجاجة المصابیح کی تبویب و تدوین گرچہ مشکوۃ شریف کے نہج اور طرز پر کی ہے لیکن اختلافی مقامات پر وہی احادیث لائے ہیں جن سے احناف استدلال کرتے ہیں، (iii) ہر فقہی مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو ایک ہی مقام پر بیان کر دیا ہے، (iv) ہر مسئلہ میں مفتی بہ قول کی تائید کرنے والی احادیث کو درج کیا ہے، (v) بعض اہم مسائل کی وضاحت کے لیے مفید حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔[۳۵]

ملک شام کے ممتاز عالم دین علامہ عبدالفتاح ابو غدۃؒ (۱۳۳۶۔۱۴۱۷/۱۹۱۸۔۱۹۹۶) نے حج کے موقع پر زجاجہ کی پہلی جلد ملاحظہ فرمائی تو حضرت مصنف کو مکتوب ارسال کیا جس میں انھوں نے لکھا:

''مجھے یہاں حضرت والا کی تصنیف زجاجۃ المصابیح کی جلد اول دست یاب ہوئی جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہوگئے، اللہ تعالی نے آپ کو اس بیش بہا نعمت سے جو نوازا ہے اس پر میں اللہ تعالی کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر پر اسلام اور حضرات احناف کی طرف سے جزا خیر عطا فرمائے''۔[۳۶]

عربی تصنیف زجاجۃ المصابیح کے علاوہ اُردو زبان میں لکھی گئی آپ کی دیگر تصنیفات وتالیفات کو بھی سند کا درجہ حاصل ہے۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا محمود شاہ قادری حنفی معروف بہ ابوالوفاء افغانیؒ (۱۳۱۰۔۱۳۹۵/۱۸۹۲۔۱۹۷۵)

اسلامی علوم میں علم فقہ کو خاص اہمیت حاصل ہے چوں کہ یہ مختلف شعبہ ہائے حیات بشمول مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی کو محیط ہے۔ اسلامی علوم بالخصوص فقہ حنفی پر چودھویں صدی ہجری کے عظیم محدث، فقیہ، محقق،[۳۷] عالم دین اور جامعہ نظامیہ کے قابل سپوت حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانیؒ کی عمیق اور وسیع نظر تھی۔ ان کا شمار محققین، محدثین، فقہاء اور صاحب فضل وکمال شخصیات میں ہوتا ہے۔ اہل علم واہل قلم نے حضرت علامہ ابوالوفاء الافغانیؒ کی خدمات حدیث کا برملا اعتراف کیا ہے۔[۳۸] ان کا گھر ہمیشہ کتابوں، مسودات، اور تحریروں سے مملو رہتا۔ وہ از ھر ہند جامعہ نظامیہ میں شیخ الفقہ کے جلیل القدر عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی فقہ حنفی کی ترویج کے لیے وقف کردی تھی۔ دکن کے علاقہ میں فقہ حنفی کی تحقیقات وتعلیقات اور ترویج واشاعت پر بہت بڑا اور عظیم کام ہوا۔ اس عظیم مقصد کے لیے حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانیؒ نے علماء مجلس کے تعاون سے سن ۱۳۴۸/۱۹۲۹ میں ''مجلس احیاء المعارف النعمانیہ'' کی داغ بیل ڈالی جو ان کی علمی زندگی کا عظیم الشان یادگار کارنامہ ہے۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کا اہم مقصد ائمہ احناف بالخصوص امام اعظمؒ، امام یوسفؒ (۱۲۰۔۱۸۲/۷۳۸۔۷۹۸) اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ (۱۳۱۔۱۸۹/۷۴۹۔۸۰۵) کی تصنیفات کو تعلیقات ومقدمات کے ساتھ شائع کرنا تھا۔ عالم اسلام کے بلند پایہ محدثین، فقہاء اور محققین جیسے مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۲۹۲۔۱۳۵۱/۱۸۷۵۔۱۹۳۳)، مولانا یوسف بنوریؒ (۱۳۲۶۔۱۳۹۷/۱۹۰۸۔۱۹۷۷)، مولانا مفتی مہدی حسنؒ (۱۳۰۱۔۱۳۹۶/۱۸۸۴۔۱۹۷۶)، مولانا عبدالرشید نعمانی (۱۳۳۴۔۱۴۲۰/۱۹۱۶۔۱۹۹۹) اور علامہ زاہد الکوثری (۱۲۹۶۔۱۳۷۱/۱۸۹۸۔۱۹۵۲) اس ادارہ کے ارکان مقرر ہوئے۔[۳۹]

انھوں نے فقہ حنفی پر لکھی گئی کتابوں جیسے ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاویؒ (۲۲۹۔۳۲۱/۸۴۴۔۹۴۲) کی 'مختصر الطحاوی'، امام قاضی ابو یوسفؒ کی 'کتاب الآثار'، کتاب 'اختلاف ابی حنیفه و ابن ابی لیلی'، اور 'الرد علی السیر الاوزاعی'، امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی 'الزیادات'(دو جلدیں)، 'الحجة علی اہل المدینه' (چار جلدیں)، امام بخاریؒ (۱۹۵۔۲۵۷/۸۱۰۔۸۷۰)کی 'تاریخ الکبیر'(تیسری جلد)، ابو بکر احمد بن عمرو بن مهیر الخصاف (المتوفی ۲۶۱/۸۷۵) کی 'النفقات'، امام سرخسیؒ (۴۰۰۔۴۸۳/۱۰۰۹۔۱۰۹۰) کی 'اصول الفقه'، امام محدث ابوعبداللہ حسین بن الصمیریؒ (المتوفی ۴۳۶/۱۰۴۵) کی 'اخبار ابی حنیفه و اصحابه' ، امام ذہبیؒ (۶۷۳۔۷۴۹/۱۲۷۴۔۱۳۴۸) کی 'مناقب الامام ابی حنیفه و صاحبیه ابی یوسف و محمد بن الحسن'، حافظ محدث محمد بن یوسف صالحہ شافعی دمشقی (المتوفی ۹۴۲/۱۵۳۶) کی عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفه النعمان پر تحقیقی کام کیا۔[۴۰]

حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانیؒ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی تصنیف ''کتاب الاصل'' پر تصحیح و تعلیق کا کام کیا جسے دائرۃ المعارف العثمانیہ نے شائع کیا۔ امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف ''کتاب الآثار لابی حنیفه'' علم حدیث میں تالیف کی جانے والی پہلی کتاب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ نے بھی آپ سے اس کتاب کو روایت کیا ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ نے چند احادیث کا اس میں اضافہ کیا ہے۔ یہ نسخہ مولانا ابوالوفاء افغانیؒ کی تحقیق سے طبع ہوا ہے۔ اسی طرح آپ نے امام محمدؒ کی مایۂ ناز اور شہرۂ آفاق تالیف کتاب الآثار پر تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا جو ضخامت میں اصل کتاب سے کئی گنا زیادہ ہے۔[۴۱] اس مقدمہ میں آپ رقم طراز ہیں کہ علم حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین میں نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ تحریر کی جانے والی سب سے پہلی کتاب امام اعظم ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار ہے جس میں ہزار ہا مرفوع و موقوف احادیث شامل ہیں۔ اس مفصل حاشیہ سے متاثر ہو کر انوار الباری شرح صحیح البخاری کے مولف حضرت مولانا احمد رضا بجنوری نقشبندی مجددیؒ پانچویں جلد کے مقدمہ میں حضرت علامہ محدث ابوالوفا صاحب افغانیؒ کو شارح کتاب الآثار امام محمد کے جلیل القدر لقب سے مخاطب کیا ہے۔[۴۲] اس مقدمہ کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کو آپ کے افکارِ ادبیہ اور خیالات عالیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کتاب پر ایسا معلومات آفریں حاشیہ بھی تحریر فرمایا جو متقدمین کی کتب سے بہت ہی گراں قدر ہے۔

حضرت مولانا ابوالوفا الافغانیؒ کی رہنمائی میں عظیم ادارہ 'مجلس احیاء المعارف النعمانیہ' سے جو کتابیں شائع ہو کر منصہ شہود پر آئیں وہ حسب ذیل ہیں: (۱) اصول السرخسی، (۲) کتاب النفقات، (۳) کتاب الحجة،

(۴) کتاب الآثار للامام محمد، (۵) کتاب النکت، (۶) المختصر للطحاوی، (۷) عقود الجمان، (۸) اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی، (۹) الرد علی سیر الاوزاعی، (۱۰) کتاب العالم والمتعلم، (۱۱) الجامع الکبیر للامام محمد، (۱۲) مناقب الامام ابی حنیفہ، (۱۳) شرح الزیادات۔ اس طرح آپ نے فقہ حنفی پر بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے جو آنے والے زمانے میں علماء، محققین اور اصحاب قلم کے لیے راہ کشا ثابت ہوگا۔[۴۳] آپ کی اس گراں قدر خدمات کے پیش نظر بعض علماء آپ کو ابو حنیفہ ثانی کہتے ہیں۔[۴۴] آپ نے فن تجوید وقرأت میں کتاب بعنوان "دلیل القاری علی کلام الباری" تحریر فرمائی۔[۴۵] آپ کی وفات پر قرآن، حدیث، فقہ، عربی ادب پر گہری نظر رکھنے والے، شارح ترمذی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں: "مولانا ابوالوفاء قندھاری کی وفات سے ورع وزہد کا ایک پیکر تقوی وخشیت الٰہی کی قوی روح، جہد وسعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلف صالحین کی عجیب یادگار، ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی۔[۴۶]

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (۱۳۲۶۔۱۴۲۳/۱۹۰۸۔۲۰۰۲)

دینی وعصری تعلیمی اداروں سے وابستہ طلباء وطالبات میں اکثریت ایسے طالب علموں کی ہوتی ہے جو مادر علمی پر فخر کرتے ہیں لیکن ان میں ایسے طلباء وطالبات کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے جن پر خود مادر علمی کو ناز ہوتا ہے چوں کہ وہ لوگ علمی دنیا میں اعلی و منفرد مقام بنالیتے ہیں اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں تاریخی کارنامے انجام دیتے ہیں جن کی نظیر تاریخ انسانیت میں بہت کم ملتی ہے۔ انہی تاریخ ساز اور عظیم عبقری شخصیتوں میں جامعہ نظامیہ و جامعہ عثمانیہ کے نامور سپوت، عالم اسلام کے روشن ستارے، مرد حق آگاہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ کا شمار ہوتا ہے جن کی اذان توحید پر لبیک کہہ کر مغرب کے ہزاروں (تقریباً ۴۰،۰۰۰) مریضان کفر نے اپنے باطن کو نہ صرف ضیا بار کر کے داخل اسلام ہوئے بلکہ علم ودعوت کی سینکڑوں شمعیں روشن کرنے کا باعث بنے۔[۴۷] ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کو اپنی مادر علمی اور علماء جامعہ نظامیہ سے قلبی ووالہانہ لگاؤ تھا۔ پروفیسر عبدالرحمن مومن نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اساتذہ کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کو جامعہ نظامیہ کے جید الاستعداد استاذہ سے استفادہ کا زرین موقع ملا اور ان اساتذہ میں ڈاکٹر صاحب کی سیرت و شخصیت پر سب سے گہرا اثر مولانا ابوالوفا افغانیؒ کا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط مولانا افغانی کے نام لکھے"۔[۴۸]

آپ اُردو، عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، قدیم وجدید ترکی، روسی بولیوں کے علاوہ مزید ۲۰ زبانوں سے واقف تھے۔ شاید آپ بیسویں صدی کے وہ واحد عالم دین و محقق بے نظیر ہیں جنھیں اس قدر متعدد زبانوں پر ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے زائد از ۱۵۰ کتابیں اور ۹۳۷ علمی و تحقیقی مضامین ومقالے تحریر فرمائے ہیں جس سے علمی دنیا آج

بھی روشن و منور ہے۔آپ کی کثیر التعداد تصانیف کے موضوعات کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔آپ نے اسلام کی دعوت واشاعت،دیگر ادیانِ عالم پر اس کی برتری، فن حدیث پر تحقیق، نیز سیرت نبویؐ بالخصوص اس کے سیاسی پہلوؤں کے حوالے سے گراں قدر تحقیقی خدمات انجام دیں جو اہل علم بالخصوص محققین کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں آپ کی گراں قدر خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر صاحب نے ۹۴ سال کی طویل عمر پائی اور اس کا بیشتر حصہ علم و فن کی خدمت،اسلام کی اشاعت اور تدریس و تحقیق میں گزارا۔ کہنا چاہیے کہ ان کی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی حفاظت واشاعت کے لیے وقف تھی''۔[۴۹] ڈاکٹر خالد ظفر رندھاوا نے اپنے مضمون میں اس بات کا ذکر کیا کہ ''ڈاکٹر حمید اللہؒ اپنی بعض تحقیقات علمیہ کے سلسلے میں مکتبہ محمد پاشاہ کوپرولی (ترکی) میں مصروف کار تھے کہ وہاں پر آپ کو سنن سعید بن منصورؒ (المتوفی ۲۲۷/۸۴۲) کا ناقص نسخہ ملا جو کہ مصنف ابن ابی شیبہؒ (۱۵۹۔۲۳۵/۷۷۶۔۸۵۰) کے تحت غلط طور پر مندرج تھا آپ نے یہ نسخہ بغرض تحقیق مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ (۱۳۱۹۔۱۴۱۲/۱۹۰۱۔۱۹۹۲) کو عنایت کر دیا اور بوقت طبع اس پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا جو القسم الاول عن المجلد الثالث صفحات ۱۳ تا ۳۰ پر درج ہے جس میں سعید بن منصورؒ کے حالات زندگی اور تاریخ علم حدیث پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے''۔[۵۰] آپ نے یونیسکو کے ایک منصوبے کے تحت شمس الائمہ السرخسی کی ''شرح سیر الکبیر'' کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا جسے کافی عرصہ کے بعد ترکی کے ریلیجیس افیرز فاؤنڈیشن نے شائع کیا جب تک آپ کی طبیعت ناساز ہو نا شروع ہو چکی تھی۔[۵۱] عبداللہ قربان ترکستانی لکھتے ہیں کہ ''جو لوگ ترجمہ قرآن، حدیث لٹریچر، سیرت، بین الاقوامی اسلامی قانون، اسلامی سیاست اور اسلام کے تاریخی ورثہ سے دل چسپی رکھتے ہیں وہ ڈاکٹر صاحب کو نظر انداز نہیں کر سکتے''۔[۵۲]

عوام کے لیے ۱۳۶۳/۱۹۴۴ء میں جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ نے ضلعی سطح پر لیکچرز کا اہتمام کیا تھا جس کو عثمانیہ یونیورسٹی کی سرپرستی حاصل تھی۔اس سال ورنگل اور اورنگ آباد کا انتخاب کیا گیا تھا۔اسی سال شہر حیدر آباد میں مسلم لا کے موضوع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ نے لیکچر دیے۔[۵۳] ''ڈاکٹر صاحب کے لیکچر عجیب و غریب ہوتے ان میں نہ غرائب لفظی ہوتی اور نہ شوکت الفاظ، نہ علم کی نمائش ہوتی اور نہ حوالوں کی کثرت وہ اس قدر سادہ اور دل کش انداز میں لیکچر دیتے کہ طالب علم کی ناواقفیت کا ہر گوشہ سیر ہو جاتا''۔[۵۴]

تاریخ حدیث پر علمی شواہد اور گہرے تحقیقی منہج کے ساتھ لکھنے کی سعادت ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حصے میں آئی۔[۵۵] ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہمام بن منبہ (۴۰۔۱۳۱/۶۶۰۔۷۴۹) کی کتاب صحیفہ ہمام ابن منبہ کو تحقیق و تلاش کے بعد شائع کیا جو حدیث میں دل چسپی رکھنے والے علماء کے لیے ایک اہم دریافت ہے۔ چناں چہ آپ نے صحیفہ ہمام بن منبہ

کی تلاش و تحقیق اور طباعت کا اہتمام کر کے منکرین حدیث کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ صحابہ کرام کے دور میں احادیث کی جمع و ترتیب کا کام نہیں ہوا تھا۔ ہمام بن منبہ کی دریافت کے بارے میں پروفیسر نثار احمد فاروقی (۱۳۵۲۔۱۴۲۵/۱۹۳۴۔۲۰۰۴) لکھتے ہیں: ''یہ اب تک کی دریافت کے مطابق احادیث نبوی کا سب سے قدیم نسخہ ہے''۔[۵۶] اس کتاب کا شمار حدیث کی اول ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۸/۶۷۷) نے یہ صحیفہ اپنی شاگرد ہمام بن منبہ کے لیے تیار کیا تھا۔ محض اس بات کی تصدیق کے لیے آپ نے برلن، بیروت اور دمشق کے سفر کیے جس سے آپ کے مزاجِ تحقیق کا اظہار ہوتا ہے۔[۵۷]

آپ نے جرمنی کی بون یونیورسٹی سے بین الاقوامی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کو نہ صرف قرآن فہمی، علوم حدیث، سیرت نگاری، تاریخ اسلام پر کامل عبور تھا بلکہ آپ قانون میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون کے ماہرین کا یہ خیال تھا کہ بین المالک قانون کی بنیاد ہیوگو گرٹوئس (۹۹۱۔۱۰۷۵/۱۵۸۳۔۱۶۶۵)، فرانسسکو ڈی وٹوریا (۸۸۵۔۹۵۳/۱۴۸۰۔۱۵۴۶)، بلیٹا سرڈی ایالہ (۹۵۵۔۹۹۲/۱۵۴۸۔۱۵۸۴)، فرانسسکو سواریز (۹۵۵۔۱۰۱۷/۱۵۴۸۔۱۶۱۷)، البریکو گنتیلی (۹۵۹۔۱۰۱۷/۱۵۵۲۔۱۶۰۸) جیسے ماہرین نے سولھویں صدی عیسوی میں رکھی تھی جب کہ تحقیق کے شناور و غواص ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے امام زید بن علیؒ (۸۰۔۱۲۰/۶۹۸۔۷۳۸) کی کتاب المجموع، امام اعظم ابوحنیفہؒ (۸۰۔۱۵۰/۶۹۹۔۷۶۷) کی کتاب السیر اور محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۳۲۔۱۸۹/۷۵۰۔۸۰۵) کی کتاب سیر الکبیر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ بین الاقوامی قانون کی بنیاد دراصل آٹھویں صدی عیسوی ہی میں مسلمانوں نے رکھ دی تھی۔ اس طرح آپ نے تنگ نظر دانش وروں کی علمی خیانتوں اور عیاریوں پر سے نہ صرف پردہ اٹھایا بلکہ دلائل و براہین کے ذریعہ ان کا مسکت جواب بھی دیا۔ آپؒ کی زندگی کا یہ پہلو تمام مبلغینِ اسلام کے لیے نمونہ عمل ہے۔ اللہ تعالی کی ذات سے قوی امید ہے کہ مرتب کی یہ گراں قدر خدمت احساس کمتری و تذبذب کی ظلمتوں میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگی، مسلم نوجوان نسل میں اسلامی علوم سے شغف پیدا کرنے اور قلب و روح کو شوقِ فراواں سے مالامال کرنے میں نہایت موثر کردار ادا کرے گی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ نے علمی و تحقیقی افکار و افادات کا جو ورثہ چھوڑا ہے اس آثار علمیہ سے تشنگان علم ہمیشہ مستفید و مستفیض ہوتے رہیں گے۔[۵۸]

دائرۃ المعارف العثمانیہ: علمائے اسلام کے نوادرات و جواہر ریزوں کی تصحیح وطباعت کا مرکز

سرکردہ تکون شخصیتوں یعنی (i) علم دوست عالم تبحر نواب فضیلت جنگؒ بہادر، (ii) علوم مغربیہ و مشرقیہ کے فاضل اجل نواب عماد الملک بہادر، اور (iii) عالم، ہمدرد قوم اور آزاد خیال بزرگ ملا عبدالقیوم (جن کے دل میں اسلامی علوم کی بڑی وقعت تھی) جیسے قابل احترام بزرگوں کے خلوص اور کاوشوں سے اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کا علمی و تحقیقی ادارہ دائرۃ المعارف العثمانیہ کا قیام بعہد نظام سادس سن ۱۳۰۵ /۱۸۸۸ میں عمل میں آیا۔[۵۹] اسلامی ثقافت کے احیاء میں دائرہ المعارف العثمانیہ کا اہم کردار رہا ہے جس کا قدیم نام دائرۃ المعارف النظامیہ تھا۔[۶۰] دائرۃ المعارف العثمانیہ کی تاریخ تاسیس یعنی ۱۸۸۸/۱۳۰۵ کی خصوصیات بتاتے ہوئے پروفیسر مولانا محمد عبدالمجید نظامی الملتانی لکھتے ہیں:

۱۸۸۸ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا سال پیدائش ہے جو کلامی ہیرے جواہرات کے بادشاہ تھے۔ جب وہ بولتے تو منہ سے موتی جھڑتے اور جب لکھتے تو موتی رولتے۔ آج بھی ان کی نگارشات بآسانی دستیاب ہیں جو لفظی ہیرے جواہرات کا مرقع ہیں۔ بالکل اسی طرح سال ۱۸۸۸ء میں قائم شدہ دائرۃ المعارف کا کام بھی ہیرے جواہرات کی نکاسی سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دائرہ کی کتابوں کے عنوانات میں ہیرے جواہر اور اس سے متعلق دیگر قیمتی اشیاء کا نام منفرد انداز میں جگمگا رہا ہے۔ بطور مثال دائرہ کی مشہور کتاب نظم الدرر جو تفسیر کے باب میں ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اس کا اُردو نام موتیوں کی لڑی ہے۔ اسی طرح ابن الترکمانی کی مشہور کتاب الجوھر النقی ہے جو دائرہ نے اپنے ابتدائی ایام میں چھاپی ہے اور اس کا اُردو نام "خالص جوہر" ہے۔ دیگر بہت سی کتابیں بھی ہیرے جواہرات کی کہانی سناتی ہیں۔ جیسے الدرر الکامنۃ یعنی پوشیدہ موتی، الجواھرالمضیہ یعنی روشن جواہر، "الجوھرۃ المنیفۃ" یعنی چمک دار گوہر، کتاب الفصوص یعنی نگینوں کی کتاب بلکہ دائرۃ المعارف نے خود ہیرے جواہرات کے بارے میں ایک کتاب چھاپی ہے جس کا نام الجماھر فی معرفۃ الجواھر یعنی جواہرات کی شناخت کے اصول ہے۔"[۶۱]

دائرۃ المعارف کے قیام کا اہم مقصد آٹھویں صدی سے قبل کی نادرۂ روزگار عربی تحقیقات و قلمیات، تصانیف و مخطوطات کی تحقیق و تلاش اور ان کی طباعت واشاعت ہے۔ اس عظیم ادارہ کے پہلے صدر کے طور پر نواب سر وقار الملک کو منتخب کیا گیا۔ مولانا مفتی محمود سعیدؒ، نواب محسن الملک، نواب اقبال یار جنگ اور نواب رفعت یار جنگ جیسے شہر حیدرآباد کے علماء، صوفیا، زعماء اور ممتاز شخصیتوں نے اس مفید علمی ادارہ کے لیے اپنا دست تعاون دراز کیا اور دائرۃ المعارف کی سرپرستی قبول کی۔ سرسید احمد خاں (۱۲۳۲۔۱۳۱۶/۱۸۱۷۔۱۸۹۸) مولانا شبلی نعمانیؒ

(۱۲۷۳۔۱۳۳۲/۱۸۵۷۔۱۹۱۴)، مولانا حالیؒ (۱۲۵۳۔۱۳۳۲/۱۸۳۷۔۱۹۱۴) اور مولانا عبدالحق خیر آبادیؒ (۱۲۱۰۔۱۲۷۷/۱۷۹۶۔۱۸۶۱) جیسی علمی دنیا سے تعلق رکھنے والی عہد ساز شخصیات نے دائرہ کی رکنیت قبول کر کے اس کو عزت بخشی۔[۶۲] نواب سر وقار الامراء بہادر بحیثیت میر مجلس دائرۃ المعارف کے مقاصد اور ضرورت پر مشتمل ایک عرض داشت آصف سادس نواب میر محبوب علی خاں بہادر کے ملاحظہ کے لیے پیش کی۔ بمراحم خسروانہ آصف سادس نے اس کو منظور فرما کر سن ۱۳۰۸/۱۸۹۰ میں بذریعہ فرمان ماہانہ پانسو روپے کی امداد سے سرپرستی فرمائی اس رقم میں بعد میں اضافہ کر کے ۶،۰۰۰ روپے ماہانہ کر دیا گیا۔[۶۳] مرور زمانہ کے ساتھ یہ سرکاری امداد دائرۃ المعارف کے وسیع لائحہ عمل کی تکمیل کے لیے ناکافی ہو چکی تھی۔ لہٰذا مولانا نواب فضیلت جنگ بہادرؒ نے آصف سابع کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔ برائے معارف نوازی آصف سابع نے دائرۃ المعارف کے لیے نہ صرف یک مشت پانچ لاکھ روپے منظور فرمائے بلکہ اس کی ترقی کے لیے اس ادارہ کا تعلق حسب فرمان خسروی جامعہ عثمانیہ سے کر دیا۔[۶۴] عہد عثمانی کا یہ ایسا علمی کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ یہ ادارہ اپنی علمی و تحقیقی خدمات اور علم و معرفت کے بحر ناپیدا کنار سے موتیاں نکالنے کے باوصف سارے عالم اسلام میں معروف ہے اور علمی حلقوں میں حیدرآباد دکن بلکہ ہندوستان کی پہچان ہے۔ دائرۃ المعارف نے مختلف موضوعات جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، تصوف، ادعیہ، وظائف، منطق، فلسفہ، کلام و مناظرہ، سیر، تاریخ، رجال، دینیات، اخلاقیات، السنہ، لغت، فنون لطیفہ، مابعد الطبیعات، طب، حکمیات، ریاضی، جغرافیہ، فلکیات، مرایا، تذکرہ، سے متعلق مخطوطات کو اندرون و بیرون ملک کے مختلف کتب خانوں سے حاصل کر کے تقریباً زائد از ۸۰۰ جلدوں پر مشتمل ۳۰۰ کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں بعض اہم حسب ذیل ہیں علامہ ابن دریدؒ (۲۲۲۔۳۲۱/۸۳۷۔۹۳۳) کی جمہرۃ اللغۃ، امام بیہقیؒ (۳۸۴۔۴۵۸/۹۹۴۔۱۰۶۶) کی سنن کبری، علامہ ابن جوزیؒ (۵۱۰۔۵۹۷/۱۱۱۶۔۱۲۰۱) کی صفۃ الصفوۃ، علامہ بدرالدین بن جماعۃؒ (۶۳۳۔۷۳۳/۱۲۳۶۔۱۳۳۳) کی تذکرۃ السامع والمتکلم، کمال الدین ابو الحسن الفارسیؒ (۶۵۸۔۷۲۰/۱۲۶۰۔۱۳۲۰) کی تنقیح المناظر، علامہ حافظ ابن حجرؒ (۷۷۳۔۸۵۲/۱۳۷۲۔۱۴۴۹) کی الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، مولانا سید عبدالحئیؒ (۱۲۸۶۔۱۳۴۱/۱۸۶۹۔۱۹۲۳) کی نزہۃ الخواطر شامل ہیں۔ مطبوعات دائرۃ المعارف کی نکاسی کے لیے ممبئی، سورت، لاہور، افغانستان، مکہ معظمہ، مصر، لندن اور جرمنی جیسے مختلف مقامات اور ممالک میں تاجران کتب کو ایجنٹ مقرر کیا گیا۔[۶۵]

اس شہرہ آفاق ادارے نے علوم اسلامیہ اور حقائق تاریخیہ کے قیمتی ذخائر کا تحفظ اور نادر و نایاب علمی، ادبی، تاریخی ،ثقافتی اور عربی علوم وفنون کے بیش بہا تصنیفات و مخطوطات اور کتب قیمہ کو تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ طباعت سے آراستہ کر کے منصۂ شہود پر لایا ہے تاکہ اہل علم و دانش اس سے مستفید ہو سکیں۔ علوم اسلامیہ پر دائرۃ المعارف کے بہت احسانات ہیں جن کی دنیائے اسلام ہمیشہ مرہونِ منت رہے گی۔ دائرۃ المعارف سے شائع ہونے والی چند اہم کتب کا ذکر حسب ذیل ہے:

کنز العمال

دائرۃ المعارف العثمانیہ سے سب سے پہلے شیخ علاء الدین علی متقی برہانپوریؒ(۸۷۶۔۱۴۷۲/۹۷۵۔۱۵۶۸) کی مشہور تالیف کنزل العمال شائع ہوئی جو ۸ جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ حدیث کی جامع و مبسوط، عظیم و ضخیم کتاب اور حدیث کا بڑا اور عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' ہے جس میں ۴۶،۶۲۴ /احادیث وآثار درج ہیں اس میں درج مرویات بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر مسانید سے نقل کی گئی ہیں۔ بعض مقامات پر مولف حدیث پر تبصرہ کرتے ہیں اور اس کا درجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کی نقولات مولانا انوار اللہ فاروقیؒ نے قیام مدینہ طیبہ کے دوران اپنے صرف خاص سے تیار کروائیں تاکہ علمی دنیا اس ذخیرۂ حدیث سے روشناس ہوسکے۔[۶۶] یہ کتاب دراصل امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۱۴۴۵/۹۱۱۔۱۵۰۵) کی تین کتب یعنی (i)الجامع الکبیر، (ii) الجامع الصغیر اور (iii) زیادۃ الجامع کا مجموعہ ہے[۶۷] جسے مولف نے بغیر کسی کمی و بیشی کے فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ البتہ مولف نے بیشتر مکررات کو حذف کر دیا ہے۔[۶۸] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۹۵۸۔۱۵۵۱/۱۰۵۲۔۱۶۴۲) احادیث نبوی کے اس جامع ترین مجموعہ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''حق بات یہ ہے کہ اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ متقیؒ نے اس میں کیسا کام کیا ہے اور کیا خدمات انجام دی ہیں۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سنن واحادیث کے معانی، اس کے ادراک وترتیب اور الفاظ کے سمجھنے میں انھیں کیسی بصیرت تھی''۔[۶۹] دائرۃ المعارف نے آٹھ جلدوں میں مشتمل اس کتاب کے پہلے نسخہ کو تین سال یعنی ۱۳۱۲ /۱۸۹۵ سے ۱۳۱۵/۱۸۹۸ کے دوران میں شائع کیا ہے اور تقریباً ۸،۶۴۷ صفحات پر مشتمل ۲۲ جلدوں کی تدوین کے بعد اس کتاب کا دوسرا نسخہ ۱۳۶۴ /۱۹۴۵ سے ۱۳۹۴/ ۱۹۷۵ کے درمیان شائع کیا۔

مسند ابی عوانہ

مسند ابی عوانہ جسے مستخرج ابی عوانہ بھی کہتے ہیں، احادیث کا مجموعہ ہے جسے یعقوب ابن اسحاق الاسفرئنی ابو عوانہ (المتوفی ۹۲۸/۳۱۶) نے مرتب کیا اور یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۴۳۰ صفحات پر مشتمل اس کی پہلی جلد کا مخطوطہ جو سن ۱۲۱۹/۶۱۵ میں لکھا گیا تھا جس کو دائرۃ المعارف نے بانکی پور لائبریری سے حاصل کیا جو دراصل صحیح مسلم پر ابو عوانہ کے مستخرجات ہیں۔ مسند ابی عوانہ کو صحیح مسلم کی شرح بھی کہا جاسکتا ہے۔ امام ذہبیؒ (۶۷۲۔۷۴۸/۱۲۷۴۔۱۳۴۸) تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ مسند ابن عوانہ مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ ابن حجر العسقلانیؒ (۷۷۳۔۸۵۲/۱۳۷۲۔۱۴۴۹) کے مطابق ابو عوانہ نے اس کتاب کو فقہی کتب کی طرز پر مرتب کیا اور اپنی اسانید سے بہت سی ایسی حدیثیں بیان کیں جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں شامل نہ کی تھیں۔[۴۰] جناب مسعود عالم نے مذکورہ بالا جلد کی تصحیح کی جس کے بعد دائرہ نے اسے شائع کیا۔ ابو عوانہ نے اس کتاب میں ایسے قیمتی اضافے کیے ہیں جو دیگر کتب میں نہیں ملتے۔ دائرۃ المعارف کے سابق ڈائرکٹر سید ہاشم ندوی نے اس کتاب پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ اس کتاب پر ترمیم اور نظر ثانی کا کام مولانا شیخ عبدالرحمن اور مولانا عبداللہ عمادی نے کیا۔ اس عظیم کام سے آج جو علماء و دانش ور حضرات مستفید ہو رہے ہیں اس کا سہرا دائرہ کو جاتا ہے۔[۴۱] ۱۹۰۴ صفحات اور چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو دائرۃ المعارف نے شائع کیا ہے۔

دائرۃ المعارف نے امام بخاریؒ (۱۹۴۔۲۵۶/۸۱۰۔۸۷۰) کی تصنیف تاریخ کبیر کی تیسری جلد کی نقل ازہر لائبریری، مصر سے حاصل کی جو عرصہ سے نایاب ہو چکی تھی۔ اس طرح دائرہ المعارف نے تاریخ کبیر کی تمام جلدوں کو شائع کیا۔ یہ کتاب راویوں کے حالات و کوائف سے متعلق ہے۔ مشہور محدث امام ابن ابی حاتمؒ (۱۹۵۔۲۷۷/۸۱۱۔۸۹۰) نے کتاب الجرح والتعدیل تصنیف کی جس میں راویوں کے حالات و کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ دائرۃ المعارف نے اس مخطوطہ کو استنبول کی مشہور لائبریری سے حاصل کر کے شائع کیا۔[۴۲] ابن رشد (۵۲۰۔۵۹۴/۱۱۲۶۔۱۱۹۸) کے سات رسائل (یعنی السما الطبیعی، السماء والعالم، الکون الفساد، الآثار العلویہ، النفس، ما بعد الطبیعہ اور فی العقل والمعقول پر مشتمل مجموعہ بھی دائرۃ المعارف سے شائع ہوا۔[۴۳]

تفسیر الملتقط:

شیخ سید نفیس الحسینیؒ نے انڈیا آفس لائبریری سے تفسیر الملتقط کا نسخہ حاصل کیا تھا۔ اسی تفسیر الملتقط کی پہلی جلد (سورۃ الفاتحہ سے آل عمران تک) کو دائرۃ المعارف العثمانیہ نے وزارت اقلیتی بہبود حکومت ہند کی اسکیم کے تحت سن ۲۰۱۶ء شائع کیا جو عظیم المرتبت صوفی باصفا امام ربانی صدر الدین ابو الفتح سید محمد الحسینی گیسودرازؒ

المعروف بہ بندہ نواز (۷۲۱۔۸۲۵/۱۳۲۱۔۱۴۲۲) کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (۶۷۲۔۷۵۷/۱۲۷۴۔۱۳۳۷) کے مرید خاص تھے۔[۷۴] بچپن ہی سے آپ میں عالم ربانی، پیر روحانی، عاشق یزدانی اور خدا ترسی کی خصوصیات نمایاں تھیں۔[۷۵] آپ کی تربیت علم و تقویٰ اور صوفیانہ ماحول میں ہوئی۔ آپ کا زیادہ وقت نماز، ذکر واذکار، اوراد ووظائف اور ریاضت ومجاہدات میں گزرتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ ایک زود نویس مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد کے بابت مختلف اقوال منقول ہیں بعض کی رائے کے مطابق آپ نے ۱۰۵ کتابیں تصنیف فرمائیں جب کہ صاحب تبصرۃ الخوارقات، سید من اللہ کے مطابق یہ تعداد ۱۲۵ ہے۔[۷۶] حضرت بندہ نوازؒ گیسودراز کے سوانح نگار سامانی اور واعظی نے بالترتیب ۳۶اور ۴۵ کتابوں کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی اصل تعداد کا تعین کرنا مشکل ہے۔[۷۷] البتہ آپ کی تصنیف کردہ کئی کتابیں ہندوستان اور لندن کے مختلف کتب خانوں میں شائع شدہ یابشکل مخطوطات آج بھی محفوظ ہیں۔ آپ کو دیگر اسلامی علوم کے علاوہ قرآنی علوم میں ید طولی اور کمال درجہ کا درک حاصل تھا۔[۷۸] میر ولی الدین کا خیال ہے کہ گیسودراز وہ پہلے چشتی صوفی ہیں جنھوں نے علم سینہ (باطنی علم) کو علم سفینہ (ظاہری علم) میں تبدیل کیا۔[۷۹]

قیام دہلی کے دوران آپ نے عربی میں قرآن مجید کی تفسیر بعنوان تفسیر الملتقط تحریر فرمائی جو علوم الٰہیہ، انوارِ قدسیہ، لطائف رحمانیہ اور رموزِ باطنیہ کا بیش بہا خزینہ ہے۔ تفسیر الملتقط قاری کی بصیرت وبصارت، فراست و دانش کو روشن ومنور کرتی ہے اور روح و شمع تصوف کو ہر طرح سے زندہ وفروزاں رکھتی ہے۔ یہ تفسیر کئی وجوہ سے عدیم النظیر ہے۔[۸۰] عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خواجہ شریفؒ تفسیر الملتقط کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے مطابق قرآن مجید کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ دنیا میں جس زاویہ سے بھی تفاسیر لکھی گئی ہیں ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے جب کہ باطن کو بیان کرنے کا قرض پوری امت پر باقی تھا جسے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے تفسیر الملتقط تصنیف فرما کر ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔[۸۱] سامانی کے مطابق یہی وہ صوفیانہ تفسیر ہے جو آپ اپنے مریدین اور خلفاء کو پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے اس تفسیر کو تین عنوانات یعنی (i) لطائف، (ii) حقائق اور (iii) ملتقط کے تحت بیان فرمایا ہے۔ عنوان 'لطائف' کے تحت آپ نے امام قشیریؒ (۳۷۶۔۴۶۵/۹۸۶۔۱۰۷۲) کی لطائف الاشارات میں درج اصحاب حقیقت اور ارباب طریقت کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں قرآنی آیت کی تشریح فرماتے ہیں۔ عنوان 'حقائق' کے تحت آپ نے محمد سلمیؒ (المتوفی ۳۷۶/۹۸۶) کی حقائق التفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے قرآنی آیات کی تشریح فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ابوالفضل محمد بن طیفور سجاوندی غزنویؒ (المتوفی ۵۶۰/۱۱۶۵) کی عین المعانی فی تفسیر الکتاب العزیز والسبع المثانی، امام ابواللیث

سمرقندیؒ (۳۳۲۔۳۷۲/۹۴۴۔۹۸۳) کی بحر العلوم، ابو حاتم البستیؒ (جنھیں ابن حبان بھی کہا جاتا ہے) (۲۷۰۔۳۵۴/۸۸۴۔۹۶۵) کی تفسیر البستی کے بھی حوالے دیتے ہیں۔اور عنوان 'ملتقط' کے ذیل میں آپ آیت پاک کے اسرار ورموز بیان فرماتے ہیں۔اس تفسیر کا مطالعہ کرنے والا سلطان العلومؒ کی روحانی رفعت و عظمت اور آپ کی رموز شناسی کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس تفسیر کے بارے میں جامعہ ازھر کے مایہ ناز عالم دین ابراھیم صلاح الھدھد اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے کتب تفاسیر میں ایسی تفسیر کبھی نہیں دیکھی۔[۸۲]

حوالہ جات:

۱۔ وی۔کے باوا،(Vasant K. Bawa)دی لاسٹ نظام: دی لائف اینڈ ٹائمس آف میر عثمان علی خان،۱۹۹۲ء،پینگوئن، نیو دہلی ،ص۳۳۶

۲۔ تغلق شاہی کنگس آف دہلی: چارٹ این: دی ایمپیرئیل گزیٹر آف انڈیا، ۱۹۰۹، جلد۔۲، ص۳۶۹،ڈاکٹر محمد انور الدین، ''حیدرآباد دکن کے علمی وادبی رسائل (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)''، ص۳۱

۳۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ہارون خان شیروانی، دی بہمنیز، ص۔۱۸تا۱۹، مہدی حسن، تغلق ڈائنسٹی، ص۔۴۵تا۱۲۱)، مہدی حسن، دی رائز اینڈ فال آف محمد بن تغلق، ص۔۱۰۹تا۱۱۵، کارل ڈبلیوارنسٹ، ایٹرنل گارڈن، ص ۱۱۲تا۱۱۳

۴۔ مولوی غلام صمدانی خان، دربار آصف، جلد۔۳، ص۔۳۔مزید دیکھیے ولیم اروائن، لیٹر مغلس ۱۷۱۹۔۱۷۳۹، جلد۔۲، ص۲۷۱

۵۔ عبدالمجید صدیقی، مقدمہ تاریخ دکن، ص۹۴۔۸۴۔۱۹۴۰، حیدرآباد دکن، ''کلچرل ایکٹیویٹی''اسلامک کلچر، جلد۔۱۶، شمارہ۔۴،اکتوبر۱۹۴۲، ص۴۵۲

۶۔ مرتضیٰ مطہری، اسلامی علوم کا تعارف، ص۸

۷۔ مولانا سید عبدالحئی ندوی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، اُردو ترجمہ مولانا ابوالعرفان ندوی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص۳۳

۸۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲، سورۃ الحجرات آیات ۱۳

۹۔ ابو حامد الغزالی، ''احیاء علوم الدین''، جلد۔۱، ص۔۲۲۔

۱۰۔ ماہنامہ البیان، امرت سر، دسمبر ۱۹۳۶۔

۱۱۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں: (۱) نظام الملک آصفجاہ اول (قمر الدین خاں)(۱۱۳۵۔۱۱۶۱/۱۷۲۴۔۱۷۴۸)، (۲) نظام الدولہ ناصر جنگ شہید (میر احمد خاں)(۱۱۶۱۔۱۱۶۴/۱۷۴۸۔۱۷۵۰)، (۳) امیر الممالک صلابت جنگ (سید محمد خاں)(۱۱۶۴۔۱۱۷۵/۱۷۵۰۔۱۷۶۱)، (۴) آصفجاہ ثانی (میر نظام علی خاں)(۱۱۷۵۔۱۲۱۸/۱۷۶۱۔۱۸۰۳)، (۵) سکندر جاہ آصفجاہ ثالث (میر اکبر علی خاں)(۱۲۱۸۔۱۲۴۴/۱۸۰۳۔۱۸۲۹)، (۶) ناصر الدولہ آصفجاہ رابع (فرخندہ علی خاں)(۱۲۴۴۔۱۲۷۳/۱۸۲۹۔۱۸۵۷)، (۷) افضل الدولہ آصفجاہ خامس (میر تہنیت علی خاں)(۱۲۷۳۔۱۲۸۵/۱۸۵۷۔۱۸۶۹)، (۸) آصفجاہ سادس (میر محبوب علی خاں)(۱۲۸۵۔۱۳۲۹/۱۸۶۹۔۱۹۱۱)، (۹) آصفجاہ سابع (میر عثمان علی خاں)(۱۳۲۹۔۱۳۶۷/۱۹۱۱۔۱۹۴۸)۔(نوٹ: ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کی جانشینی کا اعلان کیا گیا تھا لیکن صرف چند دنوں کے بعد یہ مارے گئے اور دارالسلطنت نہیں پہنچ سکے۔اس لیے سلاطین کی فہرست میں اُن کا شمار نہیں کیا گیا۔مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو عبدالمجید صدیقی، مقدمہ تاریخ دکن، ص۹۰۔۹۲۔

۱۲۔ ڈاکٹر محمد انورالدین، حیدرآباد دکن کے علمی وادبی رسائل (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)، ص۳۲، ڈاکٹر سید داؤد اشرف، حیدرآباد مشاہیر کی نظر میں، ص۱۰۴

۱۳۔ محمد فاضل، خصوصی نمبر جشن عثمانی، جلد۔۱، ص۔۶۴

۱۴۔ آصف سابع نے طلباء میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جذبہ کو فروغ دینے کے لیے جامعہ عثمانیہ میں دو وظیفوں (scholarship) کو منظوری دی۔ایک مسلم بچے کے لیے جو سنسکرت زبان کو بحیثیت اختیاری مضمون پڑھتا ہے۔دوسرا غیر مسلم بچے کے لیے جو عربی زبان کو بحیثیت اختیاری مضمون پڑھتا ہے۔ ''کلچرل ایکٹیویٹی'' اسلامک کلچر، جلد۔۲۰، شمارہ۳، جولائی ۱۹۴۶۔ص۳۱

۱۵۔ سید داؤد اشرف، قدر دان حیدرآباد،۱۹۹۶ء، شگوفہ پبلی کیشنز، حیدرآباد، ص۱۱تا۱۲

۱۶۔ خصوصی نمبر جشن عثمانی، جلد۔۱، ص ۱۰۸۔ ۱۳۹

۱۷۔ ''کلچرل ایکٹیویٹیز'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۹، شمارہ۔۲، ص۱۸۹، اپریل۱۹۴۵، جلد۔۱۶، شمارہ۔۴، ص۔۴۵۲، اکتوبر ۱۹۴۲اور جلد۔۲۰، شمارہ۔۲، اپریل ۱۹۴۶، ص۱۹۲

۱۸۔ اس جامعہ کی خدمات سے متعلق تفصیلی رپورٹ اسلامک کلچر، شمارہ۔۱، جنوری ۱۹۴۱اور شمارہ۔۱، جنوری ۱۹۴۲میں شائع ہوئی ہے۔

۱۹۔ ''قرآنک ٹیچنگس'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۷، شمارہ۔۱، جنوری ۱۹۴۳، ص۔۱۰۵

۲۰۔ ''کلچرل ایکٹیویٹی'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۹، شمارہ۔۳، جولائی ۱۹۴۵، ص ۲۹۴۔۲۹۵

۲۱۔ دارالترجمہ سے علماء اسلام کی گرانمایہ مایہ ناز تصنیفات وتالیفات بھی شائع ہوئیں جن میں محمد ابن سعد کی طبقات الکبیر، امام طبری کی تاریخ طبری، ابن حزم کی الملل والنحل قابل ذکر ہیں۔علاوہ ازیں دارالترجمہ سے قرآن مجید کا سنسکرت میں ترجمہ بھی شائع کیا گیا جس کے مترجم عربی و سنسکرت کے ماہر جناب ایچ، گنڈے راؤ تھے اور ان کا شمار دارالعلوم حیدرآباد کے مایہ ناز سپوتوں میں ہوتا ہے جو آگے چل کر عثمانیہ یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔''کلچرل ایکٹیویٹیز'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۹، شمارہ۔۱، ص ۸۴۔۸۶، جنوری ۱۹۴۵اور جلد۔۲۲، شمارہ۔۳، جنوری۱۹۴۸، ص۸۹۔۹۰

۲۲۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر مجید بیدار، جامعہ عثمانیہ کی خدمات، تاریخ اُردو زبان و ادب، ص ۳۰۲۔۳۰۵، ڈاکٹر عمر خالدی ... ڈاکٹر معین الدین عقیل (مرتبین)، سقوطِ حیدرآباد، ص ۲۵۹۔۲۵۸، ستمبر ۱۹۹۸ء حیدرآباد

۲۳۔ جوش ملیح آبادی (۱۳۱۵۔۱۴۰۲/۱۸۹۸۔۱۹۸۲) کے دوست اور کتاب ''مومن'' کے مصنف تمکین کاظمی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں ''بہ لحاظ فضیلت و علمیت حیدرآباد میں کوئی عالم آپ کے پایے کا نہ تھا مگر آپ کو نہ تو اپنی علمیت و فضیلت کے اظہار کا شوق تھا نہ ہی آپ کا انکسار اور عجز اس کی اجازت دیتا تھا۔آپ صدر الصدور اور صدر المہام (وزیر) امور مذہبی بھی ہو گیے تھے مگر عہدہ دارانہ شان اور امارت آپ میں پیدا نہ ہوئی۔وہی عالمانہ وقار بلکہ طالب علمانہ انکسار آپ میں تھا جو آخر تک رہا'' ڈاکٹر سید داؤد اشرف، حیدرآباد کی علمی فیض رسانی، ص ۲۲

۲۴۔ ایضاً، ص۲۵ ۔ ۲۷

۲۵۔ عقیل ہاشمی، حضرت شیخ الاسلام فضیلت جنگ، انوار نظامیہ، نومبر ۱۹۹۲، ص ۱۱۔ ۱۵ ؛ ملاحظہ ہو پی آر فاروقی کی کتاب اے اسٹیڈی آف جامعہ نظامیہ، ص ۱۴۔۳۳

۲۶۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محی الدین قادری زور، عہد عثمانی میں اُردو کی ترقی؛ گذشتہ پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں اُردو زبان و ادب کی نشو و نما کا تذکرہ، ص۵۶

۲۷۔ حیدرآباد کی علمی فیض رسانی، ص۲۸

۲۸۔ ایضاً، ص۳۰

(۲۹۔ ''کلچرل ایکٹیویٹیز'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۹، شمارہ۔۴، اکتوبر ۱۹۴۵، ص۳۸۵

۳۰۔ حیدرآباد کی علمی فیض رسانی، ص۔۲۹۔

۳۱۔ پروفیسر محمد سلطان محی الدین، آصف جاہ سابع کی فروغ دینی علوم میں سرپرستی، مرقع انوار، شاہ محمد فصیح الدین نظامی (مرتب)، ص۔۳۴۷۔

۳۲۔ ڈاکٹر زیب حیدر، حیدرآباد کے تعلیمی امور کے بارے میں سلطان العلوم کے چند فرامین، مرقع انوار، ص۔۴۰۷۔

۳۳۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خان، تذکرہ حضرت محدث دکن، ص۔۷، شاہ محمد فصیح الدین نظامی، علامہ ابوالوفاء الافغانی اہل نظر کی نظر میں، ص۔۳۰)۔

۳۴۔ صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابو داؤد جیسی حدیث کی معتبر و مستند کتابوں سے استفادہ کو آسان بنانے کے لیے مشہور مفسر و محدث امام محمد حسین بن مسعود بغوی شافعیؒ (۴۳۶۔۵۱۶/۱۰۴۴۔۱۱۲۲) نے کتاب المصابیح تصنیف فرمائی جسے مصابیح السنۃ بھی کہا جاتا ہے۔اس کے

بعد شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمریؒ نے مصابیح کی مزید صحت کر کے مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ (جمیل نقوی، مسند حضرت علی کرم اللہ وجہ، ۱۹۸۵، کراچی ص۔۴۔

۳۵۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا سید عبداللہ شاہ صاحبؒ، زجاجة المصابیح، اُردو ترجمہ، مولانا حاجی محمد منیر الدین، نور المصابیح، ص ۴۴۔۴۵

۳۶۔ محمد عبدالستار خان، تذکرہ حضرت محدث دکن، ۱۹۹۸، لاہور، ص ۱۱۔۱۲

۳۷۔ محمد سلطان محی الدین، علماء العربیة ومساھماتھم فی الادب العربی فی العھد الآصفجاہی، ص ۲۷

۳۸۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد عبداللہ صعیلیک، جھود المعاصرین فی خدمة السنة المشرفة، ص ۳۴

۳۹۔ عبدالفتاح ابوغدة، العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج، ص ۱۲، پروفیسر عبدالرحمن مومن، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیرت، کمالات اور افادات، ص ۵۸

۴۰۔ ایضاً، ص۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵، علماء العربیة ومساھماتھم فی الادب العربی فی العھد الآصفجاہی، ص ۲۸

۴۱۔ محمد لطیف احمد قادری ملتانی، آسمان فضیلت پر کہکشانِ انوار کا اِک نور اَفشاں ستارہ فقیہ ربانی حضرت علامہ ابو الوفاء قندھاری افغانی ﷫، مجلہ 'نظامیہ'، مارچ ۲۰۱۵، ص ۵

۴۲۔ مولانا احمد رضا بجنوری نقشبندی مجددیؒ، انوار الباری شرح صحیح البخاری، جلد۔۵، ص ۲

۴۳۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو عبدالفتاح ابوغدة، العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج، ص۔ ۱۲۳تا۱۲۶، مولانا مفتی خلیل احمد، عالم عرب میں ہندوستان کا علمی نشان حضرت مولانا ابو الوفاء الافغانی ﷫، روزنامہ، 'اعتماد'، مورخہ ۲۶/فروری ۲۰۲۱ء، ڈاکٹر سیدہ نفیس النساء بیگم، خدمات ابو الوفاء الافغانی باحیاء التراث الحنفی، الاضواء، (۱۴۴۱/۲۰۱۹) ص ۴۱۔۴۵

۴۴۔ علماء العربیة ومساھماتھم فی الادب العربی فی العھد الآصفجاہی، ص ۲۷۸

۴۵۔ شاہ محمد فصیح الدین نظامی، جامعہ نظامیہ کی حدیثی خدمات، جلد۔۲، ص ۱۸۳

۴۶۔ ماہ نامہ، بینات، کراچی، ماہ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ

۴۷۔ ماہ نامہ، افکار معلم، لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء

۴۸۔ عبدالرحمن مومن، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیرت، کمالات اور افادات، ص ۲۰

۴۹۔ محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ﷫ اور اسلامی علوم کی تحقیق و تدوین، 'ارمغانِ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ'، حافظ محمد شکیل احمد (مرتب) ص ۴۳۔۴۴

۵۰۔ خالد ظفر اللہ رندھاوا، معارف اسلامی، ص ۸۴، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۳

۵۱۔ عبدالعظیم اصلاحی، محمد حمید اللہ اینڈ ہس پائیونیرنگ ورکس آن اسلامک اکونامکس، ص ۱۵

۵۲۔ ایضاً، ص۔vii۔

۵۳۔ ''کلچرل ایکٹیویٹیز''، اسلامک کلچر، جلد، ۱۹، شمارہ، ۱، جنوری ۱۹۴۵، ص ۸۴

۵۴۔ راشد شیخ، ڈاکٹر حمید اللہ حیات خدمات مکتوب، ۲۰۱۴، کراچی، ص ۱۲۶

۵۵۔ غازی ڈاکٹر خالد علوی، ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمت حدیث، مارچ ۲۰۰۳، دعوة، ص ۱۳۸

۵۶۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور خدمت حدیث، مجلہ، 'فکر و نظر'، صفر رجب، ۱۴۲۴ھ، ص۔ ۱۲۲، مولانا محمد لطیف احمد، ڈاکٹر حمید اللہؒ کی خدماتِ حدیث''، ارمغانِ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، حافظ محمد شکیل احمد حسین (مرتب)، ص ۶۵

۵۷۔ عبدالعظیم اصلاحی، محمد حمید اللہ اینڈ ہس پائیونیرنگ ورکس آن اسلامک اکونامکس، پیش لفظ، ص ۱۶

۵۸۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے؛ ڈاکٹر حمید اللہ کا خصوصی اشاعت، روزنامہ، 'منصف'، مورخہ ۶/ جنوری ۲۰۰۵ء

۵۹۔ حامد لطیف ملتانی قادری، سلطان العلوم اور اُن کی علمی خدمات، ص۔۸۵۔ سعید الحق عمادی نے قیام کا سال ۱۸۸۶ء لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ وقارالامرا نے ۱۸۸۶ء میں افتتاح کیا اور اُس موقع پر انہوں نے تقریر کی اور وہاں موجود تمام حاضرین سے مشرقی علوم کے تحفظ کے لیے کہا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ سعید الحق عمادی، نواب عمادالملک، حیدرآباد، ۱۹۷۸ء، ص۶۷۔۱۰۴

۶۰۔ مولانا مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، ص ۶۷

۶۱۔ پروفیسر محمد عبدالمجید نظامی، شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی ﷺاور دائرۃ المعارف العثمانیہ، مرقع انوار، ص ۲۵۰۔۲۵۱

۶۲۔ سید ہاشم ندوی، مقالہ تحفظ العلوم قدیم، ص ۴۵۔۴۶

۶۳۔ پروفیسر محمد سلیمان صدیقی، دی دائرۃ المعارف، اسلامک کلچر، جلد ۷۵، شمارہ ۲، ص ۲۰۴، اپریل ۲۰۰۲، سعید الحق عمادی، نواب عمادالملک، ص ۷۵، سلطان العلوم اور اُن کی علمی خدمات، ص ۸۵

۶۴۔ دی دائرۃ المعارف، اسلامک کلچر، جلد۔۷۵۔شمارہ۔۲، ص۲۰۶تا۲۰۷، اپریل ۲۰۰۲، سلطان العلوم اور اُن کی علمی خدمات، ص ۸۶

۶۵۔ دی دائرۃ المعارف، اسلامک کلچر، جلد۔۷۵۔شمارہ۔۲، ص۲۰۸، اپریل ۲۰۰۲،، خصوصی نمبر جشن عثمانی، جلد اول، ص ۱۹۵ ۔ ۱۹۸

۶۶۔ ڈاکٹر قاضی محمد نسیم احمد، شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی ﷺاور عالمی ادارۂ تحقیق دائرۃ المعارف، مرقع انوار، ص ۲۵۷۔۲۵۸

۶۷۔ اس مجموعہ کو جمع الجوامع اور جامع المسانید سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اویس انور، ''حدیث کے انسائیکلوپیڈیا اور ان کا تعارف'' انٹرنیشنل ریسرچ جرنل آن اسلامک اسٹڈیز، جلد ۱، شمارہ ۲، ص ۸۱۔۹۴، جنوری ۲۰۲۰

۶۸۔ مولانا یوسف، مشائخ احمد آباد، ص۳۶۷

۶۹۔ اُردو ترجمہ شائق احسان اللہ، کنزل العمال، جلد ۱، ص ۱۰

۷۰۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔

۷۱۔ ''کلچرل ایکٹیویٹیز'' اسلامک کلچر، جلد۔۱۷، شمارہ ۴، ص ۴۴۶، اکتوبر ۱۹۴۳، اور جلد ۱۸، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۴۴، ص ۲۱۰

۷۲۔ ''کلچرل ایکٹیویٹیز'' اسلامک کلچر، جلد، ۱۸، شمارہ، ۲، اپریل ۱۹۴۴، ص ۲۱۰

۷۳۔ ''کلچرل ایکٹیویٹی'' اسلامک کلچر، جلد، ۲۲، شمارہ، ۳، جنوری ۱۹۴۸، ص ۹۲

۷۴۔ محمد علی سامانی، سیر محمدی، ص ۱۱ ۔ ۱۲، عبدالعزیز واعظی، تاریخ حبیبی، ص ۱۱

۷۵۔ سیر محمدی، ص ۹، تاریخ حبیبی، ص ۸۔۹

۷۶۔ سید من اللہ، تبصرۃ الخوارقات، ص ۱۰۲

۷۷۔ سیر محمدی، ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، تاریخ حبیبی، ص ۶۴۔۶۷

۷۸۔ تبصرۃ الخوارقات، ص ۳۹ ۔ ۱۰۲، سیر محمدی، ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، تاریخ حبیبی، ص ۶۳۔۶۹

۷۹۔ میر ولی الدین، خواجہ بندہ نواز اینڈ ہز کانٹری بیوشن ٹو صوفیزم، ص ۱

۸۰۔ سیر محمدی، ص ۹۵۔ ۱۱۴، تاریخ حبیبی، ص ۶۴۔۶۸

۸۱۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو التقاریظ والمقدمات علی تفسیر الملتقط، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ص ۶۷ ۔ ۹۱

۸۲۔ التقاریظ والمقدمات علی تفسیر الملتقط، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ص ۹

Abstract

This article presents the historic and overwhelming contributions of Mir Usman Ali Khan which enabled the Kingdom of Hyderabad to compete its rivals. He not only extended his support for the Muslims but also for non-Muslims through his royal orders for publishing their religious texts, building their places of worship places, and for their festivities to be funded. He also funded many foreign scholarly projects and foreign scholars. Mir Usman extended his financial support for Maulana Syed Suleman Nadvi to write Seerat-un-Nabi. This support continued for 14 years intermittently. His support for the non-Muslims led the people to coexist peacefully. State Central Library Hyderabad, Usmania university and its translation section did very meaningful contributions in the field of education and scholarship.

Keywords: Mir Usman Ali, Usmania university, Kingdom of Hyderabad